ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ڈاکٹر سمیرا بشیر ۞

فسادات کے اردو افسانوں پر ترقی پسند افسانہ نگاروں کے اثرات

Effects of the Progressive writers on short Urdu stories of Communal riots

By *Dr. Sumera Basheer, Assistant Professor, Department of Urdu, Federal Urdu University of Arts, Science & Technology (Baba-e-Urdu Campus), Karachi.*

ABSTRACT

In 1936, Sajjad Zaheer laid the foundation of Progressive writers movement. Apart from him, M.D Tasir, Ahmed Ali, Dr. Mulk Raj Anand, Dr. Jyoti Ghosh and Iqbal Singh played a vital role in advancing this movement. Instead of flourishing imagination and fiction, and fictitious works, the progressive writers associated with the movement raised their voice against the feudal system and highlighted the problems of the oppressed lower class with the help of their written work.

Krishan Chandar, Ismat Chaughtai, Ram Lal, Ahmed Abbas, Muhammad Hasan Askari, Balwant Singh, Rajindar Singh Badi, Shaukat Siddiqui, Ahmed Nadeem Qasmi are included in progressive writers. The progressive writers found new topics to write about in post-Partition India. They emphasized on human friendship and condemned the division of India, establishment of Pakistan and Hindu–Muslim riots and declared the establishment of Pakistan the roa-cause or Hind-Muslim riots.

Karishan Chandar, Ismat Chughtai, Ram Lal, Shaukat Siddiqui, Ahmed Nadeem Qasmi, Balwant Singh and Khawaja Ahmed Abbas are included in the list of the writers of the movement.

This article highlights the effects of the progressive

۞ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، وفاقی اردو یونی ورسٹی برائے فنون، سائنس و ٹیکنالوجی (بابائے اردو کیمپس)، کراچی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

writers on Urdu short stories written on communal riots.

Keywords: Progressive, Writers, Hindu-Muslim, Riots, Fiction.

۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک کا آغاز ایک انقلاب کی صورت میں رونما ہوا جس کے بنیاد گزاروں میں سجاد ظہیر کے علاوہ ایم ڈی تاثیر، محمد علی، ڈاکٹر ملک راج آنند، ڈاکٹر جیوتی گھوش اور اقبال سنگھ نے اہم کردار ادا کیا۔

> اپریل ۱۹۳۹ء میں لکھنؤ میں اس انجمن کا پہلا اجلاس منشی پریم چند کی صدارت میں ہوا۔ اس انجمن کا مقصد ادب اور دوسرے فنونِ لطیفہ کو عوام سے قریب لانا تھا۔ اسے نسلی تعصب اور فرقہ پرستی کے اثر سے دور رکھنا اور اسے حقیقی زندگی کا عکاس بنانا تھا۔ ساتھ ہی مستقبل کی تعمیر کا ذریعہ بھی بنانا تھا۔ ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ہمارے ادیب قدیم روایات کی حفاظت کریں اور موجودہ زندگی کی بنیادی حقیقتوں کو ادب کا موضوع بنائیں... مثلاً ہماری سیاسی غلامی، سماجی انحطاط، مفلسی اور جہالت وغیرہ۔(۱)

ترقی پسند تحریک مخصوص مقاصد اور اصولوں کو مدِ نظر رکھ کر تشکیل دی گئی تھی یہی وجہ ہے کہ ترقی پسند ادیبوں نے اپنی تحریروں میں تخیلی اور تصوراتی خیالات کی جگہ معاشرے کے تلخ حقائق کو بیان کیا۔ ترقی پسند تحریک کا مقصد غریب اور مظلوم طبقے کے مسائل کو بیان کرنا اور اعلیٰ طبقے اور جاگیردارانہ نظام کے خلاف آواز اٹھانا اور کارل مارکس کے نظریے کو فروغ دینا تھا۔

اس تحریک کو ادیبوں اور شاعروں کی ایک بڑی تعداد نے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس میں شامل ہو گئے۔ مثلاً منشی پریم چند، مجنوں گورکھ پوری، فیض احمد فیض، کرشن چندر، اوپندر ناتھ اشک، ن م راشد، اختر حسین رائے پوری، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی، احتشام حسین، علی سردار جعفری، حیات اللہ انصاری، رشید جہاں، سجاد ظہیر، جوش ملیح آبادی، حسرت موہانی، نیاز فتح پوری، قاضی عبدالغفار، فراق گورکھ پوری، اسرار الحق مجاز، جاں نثار اختر، اختر الایمان، معین احسن جذبی، مخدوم محی الدین، سلام مچھلی شہری وغیرہ کے علاوہ علامہ اقبال، ٹیگور اور مولوی عبدالحق نے بھی اس تحریک کو سراہا۔

ترقی پسند افسانہ نگاروں نے قدیم اور جدید روایت کے امتزاج سے افسانے تخلیق کیے۔ انھوں نے یہ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

افسانے مندرجہ ذیل رجحانات کو مدِنظر رکھ کر تخلیق کیے:

۱۔ حقیقت پسند کا رجحان جس کی مختلف صورتیں اس دور کے افسانے میں ملتی ہیں۔ جیسے دیہاتی زندگی کے مرقعے، شہری زندگی کی تصویر کشی، رومانی حقیقت نگاری، اشتراکی حقیقت نگاری، نفسیاتی حقیقت نگاری، جنسی کش مکش کا بیان، سیاسی رجحان۔

۲۔ بین الاقوامیت

۳۔ فن اور تکنیک میں نئے تجربے کی کوششیں۔[۲]

تقسیمِ ہند کے بعد ترقی پسند افسانہ نگاروں نے ان موضوعات اور رجحانات کے علاوہ ۱۹۴۷ء کے فسادات، ہجرت اور اس کے نفسیاتی اثرات کو بھی اپنے افسانوں کے موضوعات میں شامل کرلیا۔

فنّی، موضوعی اور تکنیکی اہمیت کے لحاظ سے اس کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلا دور ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۰ء تک کا ہے جس میں ترقی پسند تحریک تجرباتی دور سے گزر رہی تھی۔

دوسرا دور ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۷ء تک کا ہے۔ یہ دور سیاسی اور سماجی لحاظ سے اہم تبدیلیوں کا دور تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب انگریز سامراج اپنے اختتام کے آخری مراحل طے کررہا تھا جب کہ ہندو اور مسلمان سیاسی لیڈر اپنے اپنے سیاسی نظریات منوانے اور ایک دوسرے کو زیر کرنے کی سرتوڑ کوشش کررہے تھے۔ اس دور میں ترقی پسند افسانہ نگاروں نے معاشرے میں ہونے والی سیاسی اور سماجی کش مکش کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا اور اس دور میں ترقی پسند تحریک نے تیزی سے ترقی کے مراحل طے کیے۔ تقسیم ہند کے ساتھ ہی ترقی پسند تحریک کا دوسرا دور ختم ہوا۔

ترقی پسند افسانہ نگاروں نے اس دور میں جو افسانے لکھے وہ افسانے موضوع اور مقصد کے لحاظ سے خالصتاً ترقی پسند افسانے تھے۔ اس سلسلے میں جن افسانوں کو شہرت حاصل ہوئی، ان میں پریم چند کا افسانہ ''کفن''، غلام عباس کا ''آنندی''، محمد مجیب کا ''کیمیا گر''، راجندر سنگھ بیدی کا ''گرم کوٹ''، کرشن چندر کا ''ٹوٹے ہوئے تارے''، احمد علی کا ''ہماری گلی''، حیات اللہ انصاری کا ''آخری کوشش'' اور سعادت حسن منٹو کا ''ہتک'' اور ''نیا قانون'' شامل ہیں۔ ان افسانوں میں اخلاقی پستی، جنسی بے راہ روی، غربت و افلاس اور معاشرے میں ہونے والی ناانصافیوں کو بیان کیا گیا ہے۔

ترقی پسند تحریک کا تیسرا دور ۱۹۴۷ء کے بعد شروع ہو کر اس تحریک کے زوال پر ختم ہوا۔

یہ دور ترقی پسند تحریک کے لیے اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس دور میں ترقی پسند افسانے میں نئے موضوعات کا اضافہ کیا گیا۔ اسی دور میں بہت سے نئے لکھنے والوں نے اس تحریک میں شمولیت اختیار کی، ایک اور

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اہم تبدیلی یہ رونما ہوئی کہ اس تحریک میں ادب کی جگہ سیاست آ گئی جو اس کے زوال کا باعث بنی۔

تقسیمِ ہند کے نتیجے میں جہاں عام لوگوں نے ہجرت کی وہاں ادیب اور شاعر بھی ہجرت کے کرب سے بچ نہ سکے۔ بعض افسانہ نگار تو ہندوستان ہی میں رہ گئے اور بعض نے پاکستان کو اپنا وطن مان لیا، بہت سے افسانہ نگار ایسے بھی تھے جنھوں نے اس حادثے کے بعد لکھنا ترک کر دیا۔

تقسیمِ ہند کے نتیجے میں جن افسانہ نگاروں نے پاکستان ہجرت کی۔ ان میں سعادت حسن منٹو، غلام عباس، اختر حسین رائے پوری، احمد علی، احمد ندیم قاسمی، عزیز احمد، ممتاز مفتی، ممتاز شیریں، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور، اے حمید، قدرت اللہ شہاب، ابوالفضل صدیقی، محمد حسن عسکری، شوکت صدیقی اور اشفاق احمد شامل ہیں۔

ان افسانہ نگاروں میں سے بعض ایسے بھی تھے جنھوں نے تقسیمِ ہند سے کچھ عرصہ قبل لکھنا شروع کیا تھا، بعد میں بھی انھوں نے لکھنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان افسانہ نگاروں میں شوکت صدیقی، اشفاق احمد، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور، جیلانی بانو، قدرت اللہ شہاب، اے حمید، ابوالفضل صدیقی شامل ہیں۔ ان کے ابتدائی افسانوں کو اتنی شہرت حاصل نہ ہوئی جتنی کہ تقسیم ہند کے بعد لکھے جانے والے افسانوں کو ہوئی۔

تقسیم کے بعد پرانے افسانہ نگاروں میں سے احمد علی، علی عباس حسینی، مجنون گورکھ پوری، حجاب امتیاز علی، اختر انصاری اور محمد حسن عسکری نے لکھنا بند کر دیا۔

۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی تقسیم صرف جغرافیائی تبدیلیوں کا سبب نہ بنی، بلکہ اس تقسیم کے نتیجے میں بہت سی سیاسی اور سماجی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

یوں تو فسادات کا سلسلہ تقسیم ہند سے قبل شروع ہو گیا تھا لیکن ہجرت کے دوران ہی فسادات شدت اختیار کر گئے، جگہ جگہ قتل و غارت گری، لوٹ مار اور خواتین کی آبروریزی کے واقعات پیش آئے۔ ان تکلیف دہ حادثات کی وجہ سے ملک کی آزادی کی وہ خوشی نہ منائی جا سکی جو اتنی بڑی کامیابی پر منائی جانی چاہیے تھے۔

ملک کی تقسیم کے بعد سیاسی مسائل تو کافی حد تک حل ہو گئے، لیکن سماجی، معاشی اور نفسیاتی مسائل ابھر کر سامنے آئے۔ لوگوں کو نہ صرف اپنے صدیوں پرانے وطن کو چھوڑنا پڑا بلکہ اپنے عزیزوں، رشتے داروں اور بچپن کے ساتھیوں کو بھی چھوڑنا پڑا۔ آزاد ملک میں آنے کے باوجود انھیں نئے ماحول اور نئی جگہ میں شدید اجنبیت کا احساس ہوا۔ وطن اور ساتھیوں کی یادوں کے علاوہ ہجرت کے دوران انھوں نے ایسے تکلیف دہ مناظر دیکھے تھے جو انھیں ہر وقت اداس رکھتے اور ایسے لوگ زندہ رہ کر بہت کربناک اور تکلیف دہ حالات کا مقابلہ کر رہے تھے ان کے پاس سب سے قیمتی سرمایہ ماضی کی یادیں اور تصورات تھے جن میں وہ غرق ہو کر رہ گئے تھے، اور ان ساری کیفیات

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

نے انھیں ذہنی کش مکش میں مبتلا کر دیا تھا۔

> ...ترقی پسند ادبا نے اس پریشانی کی وجہ یہ بتائی کہ آزادی خاک و خون میں غلطاں تھی اور اپنے ساتھ جو اجالا لائی تھی وہ داغ داغ تھا چناں چہ بیشتر ترقی پسند ادبا نے اسے خزاں گزیدہ قرار دیا۔(۳)

اس سارے کرب میں صرف عام لوگ ہی مبتلا نہ ہوئے، بلکہ شاعر اور ادیب بھی اس دکھ سے بچ نہ سکے، شاعروں نے اپنی شاعری اور افسانہ نگاروں نے ان مہاجرین کے سماجی، معاشی اور نفسیاتی مسائل کو سمجھا اور اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔

بعض افسانہ نگاروں نے تقسیم کے دوران ہونے والے قتل وغارت اور لوٹ مار، خواتین کی بے حرمتی کے واقعات پر توجہ دی اور بعض نے ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں کے ان حالات میں بھی ایک دوسرے کے دل میں دوستی اور ہمدردی کے جذبات کو پیش کیا ہے۔

۱۹۴۷ء کے فسادات اور تقسیم کی وجہ سے لوگوں پر قیامتیں گزر گئیں تاریخ میں ایسے المناک واقعات کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ افسانہ نگاروں نے فسادات کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ بعض افسانہ نگاروں نے تو اس موضوع پر کئی کئی افسانے لکھے اور بعض افسانہ نگاروں نے ایک آدھ ہی افسانہ لکھا۔

اب ہم فرداً فرداً ان افسانہ نگاروں کے افسانوں کا مختصراً جائزہ لیں گے۔ جنھوں نے فسادات کے موضوع پر افسانے لکھے۔

کرشن چندر

کرشن چندر ایسے افسانہ نگار ہیں جنھوں نے آزادی کے بعد بھی لکھنے کا سلسلہ جاری رکھا، اور مختلف موضوعات پر افسانوں کے کئی مجموعے لکھے۔ ان مجموعوں کے علاوہ ''فسادات'' کے دوران ہونے والے وحشت ناک حادثوں کو بھی اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ ان کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں صرف تقسیم ہند اور ہجرت کی وجہ سے صدیوں سے ساتھ رہنے والے ہندو مسلم ساتھیوں، پڑوسیوں، ساتھ پڑھنے والے ہندو مسلم طالب علموں کے بچھڑنے کے غم کے علاوہ دونوں قوموں کے درمیان جو نفرت اور تعصب پیدا ہو گیا تھا انھیں اس بات کا بے حد دکھ تھا۔

اس دکھ کی ایک وجہ یہ بھی نظر آتی ہے کہ کرشن چندر کا تعلق چوں کہ پنجاب سے تھا اور تقسیم ہند کا نقصان

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

سب سے زیادہ پنجاب کو ہی اٹھانا پڑا تھا ہجرت، قتل و غارت، لوٹ مار اور خواتین کی بے حرمتی کے زخم سب سے زیادہ پنجاب ہی کی عوام کو لگے تھے۔ کرشن چندر نے یہ سارے دردناک واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ ان پر ان واقعات کا گہرا اثر ہونا یقینی تھا۔ فرقہ وارانہ فسادات سے متاثر ہو کر نہ صرف کرشن نے خود بھی لکھا، اور دیگر ادیبوں کو بھی لکھنے کی ترغیب دی۔ بلونت سنگھ نے اس بات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا:

> ۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران جب کہ میں مسوری میں عارضی طور پر قیام پذیر تھا، ڈانٹ سے پران کا ایک محبت نامہ صادر ہوا، شکایت یہ تھی کہ میں نے ابھی تک فسادات کے موضوع پر کچھ لکھا کیوں نہیں؟ میں نے جواب دیا کہ جس صورتِ حال پر آپ افسانے لکھ رہے ہیں، میں سر دست اس صورتِ حال سے گزر رہا ہوں۔(۴)

تقسیمِ ہند کے بعد جب ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشیدگی بڑھ گئی تو اس دور میں بھی کرشن نے پاکستان میں رہنے والے ساتھی اور ادیبوں سے تعلق منقطع نہ کیا اور اس کے لیے ہر قسم کا خطرہ مول لینے کو تیار تھے۔ کرشن کی اپنے ساتھیوں اور لاہور سے شدید محبت کا ذکر کرتے ہوئے قدوس صہبائی لکھتے ہیں:

> کرشن چندر بڑی مستعدی اور خلوص کے ساتھ پاکستانی ادیبوں سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے۔ وہ اس پر آشوب زمانے میں بھی لاہور کا ایک چکر لگانا چاہتے تھے۔ لاہور اس کی تربیت گاہ اور مادرِ علم تھا۔ لاہور سے کرشن چندر کا گہرا لگاؤ تھا۔ لاہور کے دوستوں کو وہ اس طرح یاد کرتا تھا۔ جس طرح بھائی، بھائی کو اور ماں باپ کو بچے یاد کرتے ہیں۔ دوستوں نے اس کی لاہور جانے کے خیال کی مزاحمت کی اور حالات کی ناہمواری اور خطرناکی کی وجہ سے کرشن دل مسوس کر رہ گیا۔(۵)

فسادات کے واقعات کو ذہن میں رکھتے ہوئے انھوں نے ''ہم وحشی ہیں'' کے نام سے چھ افسانوں پر مشتمل ایک مجموعہ شائع کروایا۔ جس میں ''اندھے''، ''امرت سر''، ''پشاور ایکسپریس''، ''ایک طوائف کا خط''، ''لال باغ''، ''جیکسن'' شامل ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا افسانہ ''تین غنڈے'' بھی قابل ذکر ہے۔

''لال باغ'' یہ افسانہ اس لحاظ سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں فسادات کے دوران ہونے والے قتل و غارت گری کے ان واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جس کے عوض کرائے کے قاتل ابتدا میں پچاس روپے اور حالات زیادہ خراب ہونے کے بعد ایک مسلمان کے قتل کے عوض پچیس روپے کمانے لگ گئے تھے۔

اس افسانے میں ان جرائم پیشہ افراد کا بھی ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے ۱۹۴۷ء کے فسادات کو سنہرا موقع

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

جانتے ہوئے لوٹ مار، اسمگلنگ، عورتوں کی تجارت جیسے ذلیل کاروبار سے خوب نفع کمایا۔

ان ہی مجرموں میں سے ایک عادی مجرم کرشن کور ہے جو جرائم کی دنیا میں ''دادا'' کے نام سے مشہور ہے۔ وہ غنڈوں کی ایک جماعت بنا لیتا ہے۔ عام لوگوں کے سامنے وہ ایک سرمایہ دار اور معزز شہری ہے۔ جب فسادات شروع ہوئے تو اسے کرشن کور سے حوصلہ اور داد ملتی، شہر کے مختلف سرمایہ دار غنڈوں کو ایک قتل کے بدلے ۵۰ روپے دیتے۔ حالات زیادہ خراب ہونے کے بعد جب قتل و غارت گری بڑھ گئی اور عام ہندو بھی مسلمانوں کو قتل کرنے سے نہ چوکتے تو ان غنڈوں کا معاوضہ پچاس روپے سے کم ہو کر ۲۵ روپے رہ گیا۔

''ایک طوائف کا خط'': یہ افسانہ فسادات پر لکھے گئے تمام افسانوں سے موضوع اور ان کی اہمیت کے لحاظ سے منفرد اور ایک اہم افسانہ ہے۔

یہ افسانہ اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں ایک طوائف یہ جانتے ہوئے بھی کہ معاشرہ انھیں شدید نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے پنڈت نہرو اور قائداعظم کو ایک خط لکھتی ہے جس میں ایک مسلمان لڑکی بتول اور ایک گیارہ سالہ ہندو لڑکی بیلا کا ذکر کرتی ہے۔ جن کے والدین فسادات کے دوران ہلاک ہو چکے ہیں، وہ بیلا کو ایک دلال سے تین سو روپے میں اور بتول کو پانچ سو روپے میں خرید چکی ہے، لیکن وہ ان لڑکیوں کو اپنے مکروہ پیشے سے بچانا چاہتی ہے اور وہ انھیں جلد از جلد قحبہ خانے سے نکالنے کے لیے نہرو اور قائداعظم کو خط لکھتی ہے۔ بیلا کے تحفظ کی ذمے داری وہ قائداعظم کو سونپتی ہے کیوں کہ بیلا کو راولپنڈی میں بے سہارا کرنے والے مسلمان تھے جب کہ بتول جس کا تعلق لدھیانہ کے ایک مسلمان گھرانے سے تھا جس کی تمام بہنوں اور خود بتول کو ہندو اپنی ہوس کا نشانہ بنا چکے تھے، اب نیم پاگل ہو چکی تھی۔ اس زندہ لاش کو پناہ دینے کی ذمے داراس نے نہرو کے سپرد کی۔

کرشن چندر کا یہ منفرد افسانہ ایک عام انسان کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ دوسری بدنصیب خواتین کی طرح ان دو لڑکیوں پر کتنی قیامتیں گزری ہوں گی ایک طوائف جسے عام طور پر محبت اور رحم کے جذبات سے عاری سمجھا جاتا ہے اس کے دل میں بھی ان خواتین کے لیے محبت اور ہمدردی کا جذبہ بیدار ہو گیا اور اس نے ان کے تحفظ کے لیے مثبت قدم اٹھایا۔

عصمت چغتائی

۱۹۴۷ء کے فسادات سے عصمت چغتائی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ اگرچہ انھوں نے تقسیمِ ہند کے بعد پاکستان میں ہجرت نہیں کی۔ لیکن ان کے بہت سے ساتھی، بہن بھائی اور ان کے بعض ہم عصر ادیب تقسیمِ ہند

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کے نتیجے میں ان سے بچھڑ گئے۔

> فسادات کا سیلاب اپنی پوری خباثتوں کے ساتھ آیا اور چلا گیا، مگر اپنے پیچھے زندہ مردہ اور سسکتی ہوئی لاشوں کے انبار چھوڑ گیا۔ ملک کے دوٹکڑے نہیں ہوئے جسموں اور ذہنوں کا بھی بٹوارا ہوگیا۔ قدریں بکھر گئیں، انسانیت کی دھجیاں اُڑ گئیں گورنمنٹ کے افسر، دفتروں کے کلرک مع میز کرسی، قلم دوات اور رجسٹروں کے مالِ غنیمت کی طرح بانٹ دیے گئے اور جو کچھ اس بٹوارے کے بعد بچے ان پر فسادات نے دست شفقت پھیر دیا جن کے جسم سالم رہ گئے ان کے دلوں کے بخرے ہوگئے ایک بھائی ہندوستان کے حصے میں آیا تو دوسرا پاکستان کے۔ ماں ہندوستان میں تو اولاد پاکستان میں۔ میاں ہندوستان میں تو بیوی پاکستان میں، خاندانوں کا شیرازہ بکھر گیا۔ زندگی کے بندھن تار تار ہوگئے۔ یہاں تک کہ بہت سے جسم تو ہندوستان میں رہ گئے اور روح پاکستان چل دی۔(۶)

تقسیمِ ہند کے تقریباً اٹھائیس انتیس سال بعد جب عصمت پاکستان آئیں تو وہ خود اور ان کے عزیز اور ساتھی ایک دوسرے کو دیکھ کر بے حد جذباتی ہوگئے۔ اپنی آپ بیتی میں انھوں نے اس بات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

> چوتھی اکتوبر کو علی گڑھ اولڈ ایسوسی ایشن نے عصرانہ دیا۔ یہ بڑی دل چسپ میٹنگ رہی، بڑی دیر تک تو ہم ایک دوسرے کو پہچان پہچان کر گلے ملتے رہے۔ خوب خوب پرانی صحبتوں کے ذکر ہوئے... بچوں کی طرح ایک دوسرے کے منہ میں مٹھائی ٹھونسی اور قہقہے لگائے۔ محفل بکھری تو جی بھاری ہوگئے، اور آنکھیں بھیگ گئیں۔ یوں بچپن بار بار لوٹ کر کب آتا ہے۔(۷)

پاکستان سے واپس جاتے وقت وہ پہلے سے زیادہ جذباتی اور افسردہ ہوگئیں۔

> ایئر پورٹ پر پہنچانے کے لیے بہت سے لوگ آئے۔ بمبئی پکار رہا تھا اور کراچی روک رہا تھا۔ ایسا لگتا ہے ایک دنیا چھوڑ کر دوسری دنیا کو جارہی ہوں... وہ جلسے... وہ مشاعرے... وہ یادوں کی سجانے والی باتیں... ان کی تعبیر کب ملے گی؟ وہ بہن بھائی جو پاکستان میں دفن ہیں ان سے ناتا کیسے توڑوں؟؟(۸)

تقسیمِ ہند کے نتیجے میں ہندووں اور مسلمانوں کے درمیان فاصلے اور نفرتیں روز بروز بڑھتی گئیں اور صدیوں

سے ساتھ رہنے والے ہندو اور مسلمان جن کی تہذیب وتمدن ایک دوسرے میں ضم ہو چکی تھی۔ وہ پھر سے تقسیم ہو گئی اور انھیں مجبوراً ایک دوسرے کو چھوڑنا پڑا۔ ان سب احساسات کو عصمت نے اپنے افسانوں میں بیان کیا۔

ان افسانوں میں ''جڑیں''، ''میں چپ رہا''، ''میرا بچہ'' اور ''ہندوستان چھوڑ دو'' شامل ہیں۔

ان افسانوں میں عصمت نے تقسیم ہند کے نتیجے میں ہونے والے ہندو مسلم تعصب اور نفرت کو غیر جانب داری اور بے باکی سے بیان کیا ہے۔

راجندر سنگھ بیدی

راجندر سنگھ بیدی، کرشن اور منٹو کے ہم عصر تھے۔ تقسیم ہند کے بعد انھوں نے افسانے لکھنے کا سلسلہ جاری رکھا لیکن کرشن اور منٹو کے مقابلے میں بہت کم لکھا۔

فسادات کے موضوع پر انھوں نے ''لاجونتی'' کے نام سے صرف ایک افسانہ لکھا جو فسادات پر لکھے جانے والے بہترین افسانوں میں سے ایک ہے۔ اس افسانے میں بیدی نے ایک مغویہ عورت کی نفسیات اور معاشرے میں ایسی عورتوں کے ساتھ نفرت اور تحقیر آمیز رویئے کو اس انداز سے بیان کیا ہے کہ مغویہ عورتوں کے جذبات و احساسات اور سماج کی تنگ نظری واضح ہو جاتی ہے۔

احمد ندیم قاسمی

احمد ندیم قاسمی نے تقسیم ہند سے کچھ عرصہ قبل جاگیردارانہ نظام اور طبقاتی کش مکش کے موضوع پر لکھنا شروع کیا تھا۔ قیام پاکستان کے نتیجے میں انھوں نے بھی ہجرت اور فسادات کی مصیبتوں کا سامنا کیا اور اس موضوع پر کئی افسانے لکھے، جن میں ''نیا فرہاد''، ''اندمال''، ''کفن دفن''، ''ارتقا''، ''تسکین''، ''فساد''، ''میں انسان ہوں'' اور ''جب بادل امنڈ آئے'' اور ''پرمیشر سنگھ'' شامل ہیں۔

''پرمیشر سنگھ'' ایسا افسانہ ہے جس کا شمار احمد ندیم قاسمی کے بہترین افسانوں میں ہی نہیں ہوتا، بلکہ یہ افسانہ فسادات کے موضوع پر لکھے جانے والے اردو کے بہترین افسانوں میں سے ایک ہے۔

> اس افسانے میں ایک عام سکھ گھرانے کی فضا، سکھوں کی عجیب عجیب حرکتیں، پرمیشر سنگھ کی بیوی اور بیٹی کی زخمی شخصیتیں، فسادات کے نتیجے کے طور پر ذہنوں پر خوف اور ناامیدی کے گہرے اور مہیب سائے، پرمیشر سنگھ کی معصوم اور دل کش

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

شخصیت اور اختر کے دل میں اپنی ماں کی چاہت کی ہوک اور اس سے جدائی کی ٹیسیں اور اپنے فطری روایتی اور مانوس تہذیبی رنگ سے ہم آہنگ رہنے کی نامٹنے والی خواہشات، حیرت انگیز بصیرت، ایجاز بیان، اور گہری ہمدردی کے ساتھ واضح کی گئی ہے۔(۹)

اس افسانے کا موضوع انسان دوستی ہے۔ اس افسانے کا سب سے اہم کردار پرمیشر سنگھ اپنے ایک گم شدہ بیٹے کرتار سنگھ کی یاد میں افسردہ رہتا اور اکثر کہتا:

بیٹیاں، بیویاں اغوا ہوتے سنی تھیں یارو، یہ نہ سنا تھا کہ پانچ برس کے بیٹے بھی اٹھ جاتے ہیں۔(۱۰)

وہ اپنے گمشدہ بچے کرتارا سنگھ کی کمی پوری کرنے کے لیے ایک گمشدہ مسلمان بچے اختر کو پالنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ اپنے اس مقصد میں اس وقت ناکام ہوجاتا ہے جب ایک طرف اس کی بیوی اور بیٹی اختر کو کرتار سنگھ کی جگہ نہیں دیتیں اور دوسری طرف اختر پرمیشر سنگھ کی محبت کے باوجود اپنی ماں کو بھولنے میں ناکام ہوجاتا ہے،۔ آخر میں پرمیشر سنگھ اختر، اپنی بیوی اور بیٹی کی خاطر اپنی خواہش کو قربان کردیتا ہے اور اختر کو پاکستان کی سرحد تک خود پہنچا کر آتا ہے اور اس نیک مقصد کی تکمیل کے دوران اپنی جان بھی گنوا دیتا ہے۔

شوکت صدیقی

شوکت صدیقی نے تقسیم ہند سے قبل افسانے لکھنا شروع کئے، طبقاتی نظام اور لکھنؤ کی تہذیب ان کے افسانوں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

تقسیمِ ہند کے نتیجے میں انھیں بھی ہجرت کرنی پڑی، ہجرت اور فسادات کے تکلیف دہ حقائق ان سے چھپے ہوئے نہیں، انھوں نے لوگوں کو لٹتے اور مرتے ہوئے دیکھا تھا۔ ان حادثات اور واقعات کو انھوں نے اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ ''ڈھل چکی رات''، ''تانیتا''، ''یہ بیمار''، ''ہفتے کی شام'' اور ''اندھیرا اور اندھیرا'' فسادات کے موضوع پر لکھے گئے افسانے ہیں، ان افسانوں ''اندھیرا اور اندھیرا'' اور ''ہفتے کی شام'' موضوع اور فن کے لحاظ سے بہترین افسانے ہیں۔

''اندھیرا اور اندھیرا'' ایک طویل افسانہ ہے جس میں انھوں نے تقسیم ہند کے بعد مہاجرین کے ساتھ پیش آنے والے مختلف مسائل اور مقامی لوگوں کے رویے کو بہت باریک بینی سے بیان کیا ہے جو ان کے تجربے اور

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

گہرے مشاہدے کا ثبوت ہے۔

اسی طرح ''ہفتے کی شام'' میں بھی انھوں نے ہندوستان سے ہجرت کرنے والے ایک ایسے خاندان کا ذکر کیا ہے جن کی کفالت کا واحد سہارا ان کی بیٹی عائشہ ہے جو بہت سخت محنت کر کے اپنے گھر والوں کا پیٹ پالتی ہے لیکن معاشرے کے تنگ نظر لوگ اس کے کردار پر شک کرتے ہیں اور اس فکر میں غرق رہتے ہیں کہ آخر اس کے پاس پیسے آتے کہاں سے ہیں۔ انھی حالات کا مقابلہ کرتے کرتے ایک دن عائشہ سڑک پار کرتے ہوئے مر جاتی ہے۔

رام لعل

رام لعل کے افسانے خواتین کے مختلف مسائل، معاشرے کے رویے اور عورت کی وفا و ایثار کے موضوع پر ہوتے ہیں۔ فسادات کے نتیجے میں انھیں پاکستان سے ہجرت کرنا پڑی جس کا انھیں بے حد دکھ تھا اور وہ ساری زندگی پاکستان میں گذارے ہوئے دنوں کو بھول نہ سکے۔ ہندووں اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والے فسادات کا انھیں بے حد دکھ تھا جس زمانے میں ہندو مسلم فسادات عروج پر تھے اور ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کو مارنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے ان حالات پر رام لعل نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

> گولیاں انسانوں پر نہیں، رام لعل پر چلائی گئیں، چھری انسانوں کے پیٹ پر نہیں، بلکہ رام لعل پر پھینکی گئی ہے۔[۱۱]

فسادات کے موضوع پر انھوں نے جو بھی افسانے لکھے اس میں نئے ملک کی اجنبیت کا احساس اور فسادات کے دوران خواتین کے ساتھ ہونے والے ظلم وستم اور زیادتیاں بیان کی گئی ہیں۔

اس موضوع پر ان کے اہم افسانے ''ایک شہری پاکستانی''، ''اکھڑے ہوئے لوگ''، ''قبر''، ''نصیب جلی''، ''ایک اور پاکستانی''، ''اللہ کی بندی''، ''نئی فصل کا ایک ٹرک بھرے بازار میں''، ''تین بوڑھے''، ''میں زندہ رہوں گا''، ''تلاشِ گم شدہ''، ''زہر تھوڑا سا'' اور آبلہ شامل ہیں۔ ان افسانوں میں ''آبلہ''، ''اکھڑے ہوئے لوگ''، ''اللہ کی بندی'' اور ''ایک اور پاکستانی'' موضوع اور فن کے لحاظ سے خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

بلونت سنگھ

بلونت سنگھ کا شمار اردو کے بڑے افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے، بلونت سنگھ کا تعلق چوں کہ پنجاب سے تھا اس

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

لیے ان کے افسانوں میں پنجاب کا ماحول، رومان، حقیقت نگاری، لوگوں کا اکھڑ پن اور زندہ دلی نظر آتی ہے ان کے اردو افسانوں میں بھی پنجابی زبان کے الفاظ اور محاورات بکثرت نظر آتے ہیں۔

انھوں نے اپنے افسانوں میں عام طور پر متوسط طبقے کے گھریلو مسائل کو بیان کیا ہے۔ فسادات کے موضوع پر انھوں نے جو افسانے لکھے ہیں۔ اس میں انھوں نے انسان دوستی کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ ان کے افسانوں کے کردار فسادات کے دوران انسانوں کے وحشی بن جانے پر افسوس کر رہے ہیں اور ایسے دردمند کردار مسلمان بھی ہیں اور سکھ بھی۔ انھوں نے ایک دوسرے کو تحفظ بھی دیا اور ایک دوسرے کی جانیں بھی بچائیں اور انھیں ہجرت اور فسادات کی تلخیوں سے بچالیا۔ فسادات کے موضوع پر انھوں نے ''پہلا پتھر''، ''کالے کوس''، ''دیہلے ...''، 38 اور ''تعمیر'' جیسے عمدہ اور منفرد افسانے لکھے۔

''کالے کوس'' اس طویل افسانے کا موضوع بھی ''انسان دوستی'' ہے۔ اس افسانے میں بلونت سنگھ نے پھلوار سنگھ اور گاماں (مسلمان) کی سچی دوستی کو بیان کیا ہے ان کی یہ سچی محبت ہندو مسلم فسادات کی وجہ سے بھی نفرت یا تعصب میں تبدیل نہیں ہوتی۔ پھلوار سنگھ اپنے مسلمان دوست گاماں کو ہندوستان کی سرحد پار کرانے میں مدد کرتا ہے اور انھیں ہجرت کے دوران ہونے والے وحشت ناک حالات کا شکار ہونے سے بچا لیتا ہے، اور اس طرح بلونت سنگھ نے آگ اور خون کی ہولی اور انسان کی درندگی کے دوران انسانیت کی روشن چنگاری کی نشان دہی کی ہے۔

خواجہ احمد عباس

خواجہ احمد عباس کا شمار اردو کے اہم افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کے افسانوں میں مقصدیت اور افادیت کا غلبہ صاف نظر آتا ہے۔ خواجہ احمد عباس ایک حساس افسانہ نگار ہونے کے علاوہ ایک جرات مند صحافی بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں جرات، بے باکی اور گہرا مشاہدہ انھیں دیگر افسانہ نگاروں میں انفرادیت بخشتا ہے۔

سماجی زندگی کی کش مکش اور انسانی نفسیات ان کے افسانوں کے خاص موضوعات ہیں انھوں نے جس موضوع پر بھی افسانے لکھے بہت جرات، بے باکی اور سچائی سے لکھے لیکن ان کی یہ بے باکی منٹو اور عصمت کی بے باکی سے بالکل مختلف اور پریم چند کی شائستگی اور سچائی سے بہت قریب ہے۔

جب ۱۹۴۷ء کے فسادات ہوئے تو پرانے وطن سے شدید محبت نے انھیں پاکستان جانے سے روک لیا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اور انھوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے ظلم وستم کو دیکھتے ہوئے بھی ہندوستان میں رہنا پسند کیا۔ جیسا کہ انھوں نے خود کہا ہے:

> جب ۱۹۴۷ء کا بٹوارا ہوا تو اس وقت میری ماں اور بہنیں پانی پت میں تھیں اور میں بمبئی میں جب مغربی پنجاب کے زخم خوردہ ہندو سکھ شرنارتھیوں کے بعد پانی پت میں مسلمانوں کا رہنا مشکل ہوگیا تو وہ سب پاکستان ہجرت کی تیاری کرنے لگے تو میری ماں پر بھی دوسرے عزیز رشتے داروں نے دباؤ ڈالنا شروع کردیا کہ وہ ان کے ساتھ پاکستان چلیں اور مجھے بھی لکھیں کہ میں بمبئی سے کراچی آجاؤں مگر انھوں نے صاف انکار کردیا کہ ''ہم اپنا وطن نہیں چھوڑیں گے۔ میرے بیٹے نے ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے اور اس فیصلے پر میں اس کے ساتھ ہوں۔[۱۲]

۱۹۴۷ء کے فسادات میں ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں کو متعصب اور ظالم کہا جاتا ہے جب کہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جنھوں نے لوگوں کو بھی انسان دوستی کا سبق دیا اور خود بھی عملی زندگی میں اسکی کئی مثالیں پیش کیں۔

انھوں نے فسادات کے موضوع پر جو افسانے لکھے ہیں ان میں بھی انسان دوستی کو ہی افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ فسادات کے موضوع پر انھوں نے ''اجنتا''، ''میجر رفیق مارا گیا''، ''اردو''، ''میری موت''، ''واپسی کا ٹکٹ''، ''شکر اللہ کا'' جیسے اعلیٰ افسانے لکھے۔

ان افسانوں میں ''میری موت'' اپنے موضوع، اسلوب اور پلاٹ کے لحاظ سے فسادات پر لکھے جانے والے بہترین افسانوں میں سے ایک ہے۔ خواجہ احمد عباس نے اپنے اس افسانے میں انسان دوستی کا پیغام دیا ہے اور اس افسانے کے ذریعے انھوں نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ فسادات جیسے تعصّبانہ حالات میں جب ہندوؤں اور مسلمانوں نے کبھی تعصب کی وجہ سے اور کبھی انتقاماً ایک دوسرے کو قتل کیا ان حالات میں بھی ایسے فرشتہ صفت لوگ موجود تھے جنھوں نے نفرت، تعصب اور انتقام جیسے منفی جذبات کو دل میں جگہ نہ دی اور ایک دوسرے سے مذہبی، لسانی اور تہذیبی فرق رکھنے کے باوجود ایک دوسرے کو ہر طرح کا تحفظ دیا۔

> جب یہ افسانہ اردو میں چھپا تو کسی سکھ نے اس کا نوٹس نہیں لیا لیکن جب یہ الہ آباد کے ہندی رسالے ''مایا'' میں چھاپا گیا تو سکھوں نے بڑا واویلا مچایا۔ بات عدالتی کارروائی تک جا پہنچی جس کی پیروی کے لیے خواجہ احمد عباس لکھنؤ تک آئے تو

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

انھیں اس وقت کی گورنر مسز سروجنی نائیڈو نے بلا بھیجا جو خود بھی انگریزی کی ایک بین الاقوامی شہرت کی شاعرہ تھیں۔ انھوں نے عباس صاحب کو ایسی کہانی لکھنے پر سخت سست کہا انھی کی مداخلت سے معاملہ رفع دفع ہوا اور عباس صاحب نے اس کہانی کا اصل عنوان ''سردارجی'' بدل کر ''میری موت'' رکھا دیا تھا جو اس کے موضوع کے اعتبار سے زیادہ مناسب اور suggestive تھا۔[۱۳]

''اجنتا'': اس افسانے میں خواجہ احمد عباس نے ایک ہندو صحافی نرمل اور اس کے مسلمان دوست احمد کا ذکر کیا ہے جنھیں ہندو مسلم تعصب سے سخت نفرت ہے۔ اس نفرت اور تعصب کو ختم کرنے کے لیے یہ دونوں ساتھی شانتی دل کے نام سیاسی سماجی تنظیم کی بنیاد رکھتے ہیں، لیکن معاشرتی دباؤ کی وجہ سے ان کا مقصد پورا نہ ہوسکا۔ اور شانتی دل کے تمام کارکن سوائے احمد کے ہندو تھے اور ان کارکنوں کا مطالبہ تھا کہ وہ اس واحد مسلمان کارکن کو بھی شانتی دل سے برطرف کردیں تو اس صورت میں وہ لوگوں سے چندہ جمع کریں گے۔ نرمل کو نہ چاہتے ہوئے بھی یہ سب کچھ کرنا پڑا۔ اس کے باوجود شانتی دل نے ملک میں امن و امان قائم کرنے کے بجائے مسلمانوں کے علاقوں میں قتل و غارت اور عورتوں کی بے حرمتی کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان حالات سے نرمل کو بہت تکلیف پہنچی اور وہ شدید ذہنی الجھاؤ کا شکار ہوگیا۔ اپنی دوست کے مشورہ پر وہ اجنتا چلا گیا ہے لیکن وہاں جا کر بھی اسے فسادات کے دوران ہونے والے واقعات نے پریشان رکھا اور اسے محسوس ہوا کہ لوگوں کو ابھی اس کی ضرورت ہے اور وہ دوبارہ بمبئی میں لوٹ آتا ہے۔

تقسیم ہند کے نتیجے میں ترقی پسند افسانہ نگاروں نے نہ صرف اپنے افسانوں میں نئے موضوعات کا اضافہ کیا بلکہ اپنی تحریک کے منشور اور رجحانات میں بھی کئی تبدیلیاں کیں جس سے ترقی پسند تحریک ادبی تحریک کے بجائے سیاسی تحریک نظر آنے لگی جو ترقی پسند تحریک کے زوال کا سبب بنا۔

جس زمانے میں ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا وہ زمانہ انگریز اقتدار کا تھا جس سے ہندو اور مسلمان دونوں بیزار تھے اور اس سے نجات حاصل کرنے کے خواہاں تھے۔ ترقی پسند تحریک کا مقصد بھی برطانوی اقتدار سے عوام کو نجات دلانا، انھیں ان کے حقوق دلانا اور معاشرے سے ناانصافی، غربت اور ظلم و ستم کا خاتمہ کرنا تھا۔ یہ مقاصد اگرچہ سیاسی نوعیت کے تھے لیکن چوں کہ اس زمانے میں ترقی پسند مصنّفین حق پر تھے اس لیے سب نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور مولوی عبدالحق، علامہ اقبال اور مولانا حسرت موہانی جیسی نامور شخصیات نے بھی اس تحریک میں شمولیت اختیار کی۔

کوئی بھی ادیب اپنی تحریروں میں جو کچھ لکھتا ہے وہ اس زمانے کے حالات و واقعات کا عکس ہوتی ہیں۔ یہ حالات وواقعات سیاسی، سماجی، نفسیاتی یا معاشی کسی بھی نوعیت کے ہوسکتے ہیں ادیب کو اپنے خیالات اور احساسات کو شائستگی سے بیان کرنے کی اجازت ہوتی ہے لیکن اس بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ ادیب کسی بھی موضوع پر لکھے اس کی ادبی حیثیت بگڑنی نہیں چاہیے۔

ترقی پسند تحریک کی ابتدا چوں کہ سیاسی اور سماجی مسائل کو مدنظر رکھ کر کی گئی تھی اور ترقی پسند افسانہ نگاروں نے جو بھی افسانے لکھے ان میں سیاسی اور ادبی دونوں رنگ جھلکتے ہیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد ترقی پسند افسانہ نگاروں نے فسادات کے موضوع پر کئی افسانے لکھے جو اس زمانے کے حالات وواقعات کی عکاسی کرتے ہیں۔ اسی عرصے میں ترقی پسندوں نے ملک کے سیاسی نظام پر نکتہ چینی شروع کردی اور ترقی پسند افسانہ نگاروں نے مقامی لوگوں اور مہاجرین کے دلوں میں یہ خیال ڈالنے کی کوشش شروع کردی کہ تقسیمِ ہند اور قیامِ پاکستان دراصل سیاسی رہنماؤں کی انا اور خودسری کا نتیجہ تھا۔جس کا نقصان عوام کو اٹھانا پڑا۔اس کے ساتھ ہی ''منزل انھیں ملی جو شریک سفر نہ تھے'' کا نعرہ بھی بلند کیا جانے لگا۔

اگرچہ تقسیمِ ہند سے قبل لکھے جانے والے افسانوں میں بھی سیاست کو افسانوں کا موضوع بنایا گیا تھا،لیکن بعض چیزیں انتہا پر اپنی ساری اہمیت کھو دیتی ہیں۔ یہ صورت تقسیمِ ہند کے بعد ترقی پسند تحریک میں پیدا ہوگئی۔

تقسیمِ ہند سے قبل ترقی پسند ادیب برطانوی سامراج کے ظلم وستم اور ناانصافیوں کو ختم کرکے ملک میں امن، خوش حالی اور انصاف لانا چاہتے تھے لیکن تقسیمِ ہند کے بعد کے ناخوشگوار حالات کے بعد ترقی پسندوں نے نئی حکومت کو اپنی تنقید کا نشانہ بنالیا اور ۶ رستمبر ۱۹۴۷ء کو ادبی کانفرنس میں ترقی پسند افسانہ نگاروں نے اپنی تحریروں میں ادب کی جگہ سیاست کو نمایاں کرنے کے لیے کئی تجاویز پیش کیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

''اول: امن، آزادی جمہوریت اور اقلیتوں کا تحفظ
دوم: اردو کو پاکستان میں ذریعۂ تعلیم بنانے کی ضرورت
سوم: تہذیبی اور تعلیمی مہم
چہارم: ہندوستان اور پاکستان کا تہذیبی اشتراک
پنجم: انڈین یونین کے ادیبوں کو پیامِ تہنیت
ششم: پناہ گزینوں کا مسئلہ اور جاگیرداری نظام کے خاتمے کی فوری ضرورت۔''[۱۴]

دراصل جس زمانے میں یہ تجاویز پیش کی گئیں وہ قیامِ پاکستان کے ابتدائی ایام تھے اور عوام کو آزادی کی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

بھاری قیمت ادا کرنے کے باوجود کئی مسائل کا سامنا تھا۔ ظاہر ہے یہ مسائل چند دنوں یا چند ہفتوں میں حل نہیں کیے جا سکتے تھے۔ انھیں حل کرنے کے لیے وقت درکار تھا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ پاکستان کا بننا غیر ضروری یا مصیبتوں کو دعوت دینا تھا بلکہ اس کی اہم وجہ ہندوستان کی مقررہ تاریخ جون ۱۹۴۸ء سے دس ماہ قبل اور اچانک تقسیم کا اعلان کرنا تھا تا کہ مسلمان پوری طرح سنبھل نہ سکیں۔ وہ الگ ملک کے فیصلے پر شرمندہ ہوں اور انھیں تقسیمِ ہند کا فیصلہ واپس لینا پڑے ان تمام حقائق سے ترقی پسند افسانہ نگار بھی بخوبی واقف تھے لیکن وہ پھر بھی اَن جان بنے رہے۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر نگہت ریحانہ، ''اردو مختصر افسانہ فنی و تکنیکی مطالعہ (۱۹۴۷ء کے بعد)''، (لاہور: بک وائز، ۱۹۸۸ء)، بار اول، ص ۶۸
۲۔ ایضاً، ص ۷۸۔۷۷
۳۔ ڈاکٹر انور سدید، ''اردو ادب کی تحریکیں''، (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۷ء)، ص ۴۹۲
۴۔ بلونت سنگھ، ''تاثرات (ادیبوں نے کہا)''، مشمولہ، ماہ نامہ ''بیسویں صدی'' دہلی کے، کرشن چندر نمبر، ص ۶۷ بحوالہ کرشن چندر شخصیت اور فن، جگدیش چندر ودھاون، (دہلی: جگدیش چندر ودھاون، ۱۹۹۳ء)، طبع اول، ص ۴۴۰
۵۔ جگدیش چندر ودھاون، ''کرشن چندر شخصیت اور فن''، محولہ بالا، ص ۲۴۳
۶۔ عصمت چغتائی، ''فسادات اور ادب'' مشمولہ ماہ نامہ ''افکار'' کراچی، جوبلی نمبر، ص ۵۸۱
۷۔ ایضاً، ''یہاں سے وہاں تک''، (لاہور: جواد برادر، سنہ ندارد)، طبع اول، ص ۴۵۔۴۶
۸۔ شیخ غیاث الدین، ''ہندو مسلم فسادات اور اردو افسانہ''، (لاہور: نگارشات ۱۹۹۹ء)، ص ۱۶۷
۹۔ اسلوب انصاری، ''احمد ندیم قاسمی اور اردو افسانہ''، مشمولہ ماہ نامہ ''افکار''، کراچی، احمد ندیم قاسمی نمبر، جنوری۔فروری ۱۹۷۵ء، ص ۳۱۸
۱۰۔ احمد ندیم قاسمی، ''پرمیشر سنگھ''، مشمولہ ''ذہن جدید''، جلد ۴، شمارہ ۱۴، دسمبر ۱۹۹۳ء تا فروری ۱۹۹۴ء، ص ۶۴
۱۱۔ ظہیر آفاق، ''رام لعل کی افسانہ نگاری''، (دہلی: شان ہند پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء)، ص ۲۱
۱۲۔ خواجہ احمد عباس، ''ادبا، شعرا''، سہ ماہی ''نقوش''، لاہور، آپ بیتی نمبر، جلد دوم، ۱۹۶۴ء، ص، 1051
۱۳۔ رام لعل، مرتب، ''خواجہ احمد عباس کے منتخب افسانے''، (نئی دہلی: سیمانت پرکاشن، نئی ۱۹۸۸ء)، بار اول، ص ۹
۱۴۔ انور سدید، ''اردو ادب کی تحریکیں''، (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۷ء)، ص ۵۱۱

مآخذ

۱۔ سدید، انور، ڈاکٹر، ''اردو ادب کی تحریکیں''، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۷ء
۲۔ ریحانہ، نگہت، ڈاکٹر، ''اردو مختصر افسانہ: فنی و تکنیکی مطالعہ''، (۱۹۴۷ء کے بعد)، لاہور: بک وائز، ۱۹۸۸ء، بار اول
۳۔ لعل، رام، مرتب، ''خواجہ احمد عباس کے منتخب افسانے''، نئی دہلی: سیمانت پرکاشن، ۱۹۸۸ء، بار اول

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۴۔ آفاق، ظہیر، ''رام لعل کی افسانہ نگاری''، نئی دہلی: شان ہند پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء
۵۔ ودھاون، جگدیش چندر، ''کرشن چندر شخصیت اور فن''، دہلی: جگدیش چندر ودھاون، ۱۹۹۳ء، طبع اول
۶۔ عباس، خواجہ احمد، ''ادبا، شعرا''، سہ ماہی ''نقوش''، لاہور، آپ بیتی نمبر، جلد دوم، ۱۹۶۴ء
۷۔ غیاث الدین، شیخ، ''ہندو مسلم فسادات اور اردو افسانہ''، لاہور: نگارشات ۱۹۹۹ء
۸۔ چغتائی، عصمت، ''یہاں سے وہاں تک''، لاہور: جواد برادر، سنہ ندارد، طبع اول

رسائل و جرائد

۱۔ ماہ نامہ ''افکار''، کراچی، ''احمد ندیم قاسمی نمبر''، جنوری۔فروری ۱۹۷۵ء
۲۔ ________، ''جوبلی نمبر''
۳۔ ''ذہن جدید''، جلد ۴، شمارہ ۱۴، دسمبر ۱۹۹۳ء تا فروری ۱۹۹۴ء